ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

فکر اقبال میں قرآنی شعور اور فکری اجتہاد امت مسلمہ کے لیے ایک راہ نجات

Sohail Ahmad
MPhil scholar University of Okara
Email: sohailahmad08101997@gmail.com
Ayyaz Akhtar
MPhil Scholar University of Okara
Email: akhtarayaz277@gmail.com

Abstract
This paper explores the dynamic interplay between Qur'anic consciousness and intellectual ijtihad in the philosophical thought of Allama Muhammad Iqbal, emphasizing their role as a path of revival for the Muslim Ummah. Iqbal, a visionary poet-philosopher of the twentieth century, considered the Qur'an not merely a religious text, but a source of perpetual spiritual and civilizational awakening. He viewed ijtihad—reinterpretation of Islamic principles in changing contexts—as a crucial force for intellectual emancipation and collective reform. This research examines how Iqbal derived inspiration from the Qur'anic worldview to reimagine Muslim identity, autonomy, and moral responsibility. The paper further investigates Iqbal's critique of stagnation in Islamic thought and his call for dynamic reasoning rooted in revelation. By studying his lectures, poetry, and prose, it highlights how his integration of Qur'anic ideals and ijtihadi methodology offers the Muslim world a viable blueprint for revival, resistance against intellectual decline, and a meaningful presence in the modern world.

تمہید

برصغیر کی ملتِ اسلامیہ جب غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جاچکی تھی، اور فکری زوال اس کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا، تب قدرت نے علامہ محمد اقبال جیسے مفکر کو اس قوم کی رہنمائی کے لیے چن لیا۔ اقبال وہ شخصیت ہیں جنہوں نے قرآنِ حکیم کو نہ صرف فہم وبصیرت کا سرچشمہ گردانا بلکہ اس کو اپنی فکر کا محور ومرکز بھی بنایا۔ ان کی شاعری ہو یا نثر، ہر ایک تحریر قرآن کے نور سے منور دکھائی دیتی ہے۔

علامہ اقبال کی فکری عظمت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ انہوں نے صرف لفظوں کے ذریعے قوم کو خوابیدہ شعور سے جگانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ قرآنِ کریم کی روشنی میں ایک ایسا فکری نظام ترتیب دیا جو نہ صرف امت مسلمہ کے ماضی کا آئینہ ہے، بلکہ حال کا ناصح اور مستقبل کی رہنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔

اقبال کا گہرا تعلق قرآن سے ان کے ذاتی خطوط، خطبات اور اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ خود اقبال لکھتے ہیں:

قرآن وہ کتاب ہے جس نے مجھے زندہ کیا، اور میرے اندر ایک نئی روح پھونکی[1]"

علامہ کے نزدیک قرآن محض تلاوت کی چیز نہ تھی بلکہ تدبر، تفکر اور اجتہادی بصیرت کا سرچشمہ تھا۔ انہوں نے امت کو دعوت دی کہ وہ تقلید کی زنجیروں کو توڑے اور قرآن کی روشنی میں نئے فکری افق تلاش کرے۔ ان کے نزدیک اجتہاد کوئی بدعت نہیں، بلکہ اسلام کی روح ہے جو ہر دور میں نئے تقاضوں کے مطابق تعبیر چاہتی ہے۔

یہ تمہید اس مقالے کا دروازہ ہے، جس میں ہم فکرِ اقبال کے آئینے میں قرآنی شعور اور اجتہادی بصیرت کا جائزہ لیں گے اور یہ دکھائیں گے کہ کس طرح یہ دونوں عناصر امتِ مسلمہ کے لیے فکری اور عملی نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

---

[1] ، اقبال، کلیاتِ مکاتیب، جلد ا، ص ۳۲۸، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

تعارف

فکرِ اقبال برصغیر کی فکری تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جس میں قرآنی شعور، دینی تجدید اور اجتہادی بصیرت کے عناصر اس انداز سے یکجا ہوتے ہیں کہ وہ نہ صرف ایک علمی تحریک کو جنم دیتے ہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے فکری زوال کا علاج بھی پیش کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسلامی فکر کو اس کے جمود سے نکالنے کی سعی کی، اور اسے زمانے کی گردش کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے قرآن سے رہنمائی لی۔ ان کے نزدیک قرآن کوئی جامد نصوص کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا زندہ پیغام ہے جو ہر دور کے انسان کو نئی زندگی، مقصد اور سمت عطا کرتا ہے۔

اقبال نے اپنی فکر میں اجتہاد کو مرکزیت دی، لیکن اس کی بنیاد وحیِ الٰہی پر رکھی۔ ان کے نزدیک اجتہاد وہ فکری قوت ہے جو زمانی تبدیلیوں کے ساتھ دینی اصولوں کو انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی پر مؤثر انداز میں منطبق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اسلام کی روح اجتہاد ہے، جب تک یہ زندہ رہا، اسلام زندہ رہا۔[2]"

اقبال کی فکر اس بات پر زور دیتی ہے کہ امت مسلمہ قرآن سے اپنا رشتہ زندہ کرے، اور اسی سے فکری اور عملی رہنمائی حاصل کرے۔ ان کے نزدیک مغرب کی ظاہری ترقی کو اپنانا مسئلے کا حل نہیں، بلکہ مسلمانوں کو اپنے اندرونی فکری نظام کو بیدار کرنا ہو گا، جس کی بنیاد قرآن اور سنت ہے۔

یہ مضمون اس حقیقت کی وضاحت کرے گا کہ کس طرح اقبال نے قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے امت کو ایک فکری تحریک دی، جو آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے۔ ہم اقبال کے کلام، خطبات اور مکتوبات کی روشنی میں قرآنی شعور، اجتہادی فکر، خودی کا تصور، اور امت کی تعمیرِ نو جیسے موضوعات کا تجزیہ پیش کریں گے۔

فکرِ اقبال کا تاریخی و فکری پس منظر

فکرِ اقبال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس تاریخی اور فکری ماحول کا جائزہ لیں جس میں ان کی شخصیت نے نشوونما پائی۔ انیسویں اور بیسویں صدی کا برصغیر ایک فکری، تہذیبی، سیاسی اور مذہبی کشمکش کا مرکز بن چکا تھا۔ ایک طرف مغرب کی نوآبادیاتی قوتیں تھیں، جنہوں نے مسلمانوں کو عسکری، سیاسی اور تعلیمی لحاظ سے کمزور کر دیا تھا، تو دوسری طرف اندرونی طور پر مسلمان ایک شدید فکری جمود، تقلیدی رویّوں، اور امت کی شیرازہ بندی کے زوال سے دوچار تھے۔

اسی تناظر میں علامہ اقبال کی شخصیت ابھرتی ہے۔ اقبال نے جہاں مغربی فکر و فلسفہ کو گہرائی سے پڑھا، وہیں انہوں نے قرآن کو اپنی فکر کا مرکز بنایا اور مشرقی روحانیات سے بھی روشنی حاصل کی۔ انہوں نے مغرب کی مادی ترقی کو سراہا، مگر اس کی روحانی و اخلاقی افلاس پر تنقید کی۔ ان کے نزدیک امتِ مسلمہ کے زوال کی اصل وجہ قرآن سے دوری، اجتہاد کا تعطل، اور خودی کے تصور سے ناواقفیت تھی۔

اقبال کا تعلیمی سفر بھی ان کے فکری پس منظر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ انہوں نے لاہور، کیمبرج اور جرمنی سے تعلیم حاصل کی۔ فلسفہ، الٰہیات، تاریخ اور ادب کے گہرے مطالعے نے ان کے فکر کو وسعت دی۔ انہوں نے فلسفہ نٹشے، برگساں اور گوئٹے سے متاثر ہو کر بھی اپنی فکر کو نکھارا، مگر قرآن کو اپنی بنیاد قرار دیا۔ وہ خود لکھتے ہیں:

میں نے مغربی فکر کا گہرائی سے مطالعہ کیا، لیکن میری روح کی تشنگی صرف قرآن سے بجھی۔[3]"

اسی فکری سفر کے دوران اقبال کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کی اصل قوت ان کی دینی فکر ہے، جو قرآن اور سنت کی روشنی میں اجتہادی بنیادوں پر استوار ہونی چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ محض مغرب کی نقالی یا قدامت پرستی سے امت کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں، بلکہ ایک نئی فکری بیداری کی ضرورت ہے، جو قرآن کے نور سے حاصل کی جائے۔

فکرِ اقبال اسی پس منظر کا نچوڑ ہے، جو زوال یافتہ امت کو ایک نئی فکری راہ پر گامزن کرنے کی کوشش ہے۔

اقبال کی فکری بیداری میں قرآن کا کردار

---

[2] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۱۴۳، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[3] ، اقبال، مکتوباتِ اقبال، ص ۲۹۰، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اقبال کی فکر کی بنیاد قرآنِ حکیم ہے، اور ان کی فکری بیداری دراصل قرآن فہمی کا نتیجہ ہے۔ اُن کی شاعری، نثر، خطبات، مکاتیب، اور فکری تعبیرات سب کچھ قرآن کے گہرے اثرات کا مظہر ہیں۔ اقبال اس بات کے شدید مخالف تھے کہ قرآن کو محض تلاوت اور تعویذ تک محدود کر دیا جائے۔ ان کے نزدیک قرآن ایک زندہ و تابندہ کتابِ ہدایت ہے، جو نہ صرف فرد کی داخلی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ ایک امت کی تہذیبی، فکری اور تمدنی تشکیل نو کا سرچشمہ بھی ہے۔

اقبال کا یہ ایمان تھا کہ قرآن کا پیغام ہر دور کے انسان کے لیے زندہ ہے، اور ہر نئی نسل کو اس سے از سرِ نو فکری، روحانی اور عملی رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ وہ قرآن کو ایک ایسا بحرِ بیکراں سمجھتے تھے جس میں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق گوہرِ ہدایت موجود ہیں، شرط یہ ہے کہ اُمت اس بحر میں غوطہ زنی کا حوصلہ پیدا کرے۔

اقبال فرماتے ہیں:

اگر کسی مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا ایمان تازہ کرے تو اُسے قرآن کی طرف لوٹنا ہو گا۔"[4]

اقبال کا یہ رجحان صرف نظری نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر قرآن کو نافذ کیا۔ ان کا ذاتی مطالعہ، عبادات، مکاتیب اور روحانی تجربات سب کچھ قرآن کی عملی تفسیر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ تلاوت کے ساتھ تدبر، تفکر اور فہمِ قرآن کو بھی اختیار کریں، کیونکہ یہی وہ عمل ہے جو روح کو بیدار کرتا اور فکر کو جہت عطا کرتا ہے۔

اقبال قرآن کو خالص عقل اور خالص عشق کے امتزاج سے دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کا مقصد صرف عقائد و عبادات کی تعلیم نہیں بلکہ انسان کو اس کے اصل مقام یعنی "خلیفۃ اللہ" کے شعور سے ہمکنار کرنا ہے۔ قرآن کا یہ مقام وہ آیات جن میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، خوب واضح کرتی ہیں:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ[5]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ[6]

یہی وہ شعوری محور ہے جس پر فکرِ اقبال استوار ہے۔ ان کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ قرآن کو اپنی ذات، اپنے معاشرے اور اپنی تہذیب پر نافذ کیا جائے۔ ان کے مطابق مسلمان صرف اس وقت دنیا کی قیادت کر سکتا ہے جب وہ قرآن کو اپنا رہنما اور مرکزِ فکر بنا لے۔ اقبال فرماتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر[7]

اقبال کے لیے قرآن صرف ایک کتابِ تلاوت نہیں بلکہ نظامِ حیات ہے۔ اس کی ہر آیت عمل، جدوجہد، حریت فکر اور تعمیرِ ملت کی دعوت ہے۔ انہوں نے ملتِ اسلامیہ کو سمجھایا کہ اگر وہ دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو اُسے قرآن سے زندہ تعلق استوار کرنا ہو گا۔ انہوں نے زور دیا کہ قرآن کو محض حفظ کرنے یا اس کی رسم پڑھائی پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اس کے معانی، مقاصد اور اس کی دعوت کو شعوری انداز میں سمجھا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مسلمانوں کے لیے ایک زندہ قوت ہے، اگر وہ اسے سمجھیں، اس سے محبت کریں، اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو تشکیل دیں۔"[8]

---

[4] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[5] ، سورۃ النساء، 4:82

[6] ، سورۃ الروم، 30:24

[7] ، اقبال، بانگِ درا، ص ۲۵۲، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[8] ، اقبال، مکتوباتِ اقبال، ص ۱۹۹، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اقبال کی یہی قرآنی مرکزیت ہی ان کے پورے فکری نظام کی روح ہے۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں سے تصورِ خودی، اجتہاد، ملت، اسلامی ریاست، روحانی حریت اور اسلامی اخلاق کے تمام زاویے جنم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن ہی وہ آئینہ ہے جس میں اُمت مسلمہ اپنی کھوئی ہوئی پہچان، بکھری ہوئی وحدت، اور زوال پذیر قوت کو دوبارہ دریافت کر سکتی ہے۔

فکرِ اقبال میں اجتہاد کی قرآنی تعبیر

علامہ اقبال نے اجتہاد کو فکر اسلامی کا وہ بنیادی ستون قرار دیا ہے، جس کے بغیر نہ تو دین کی روح کو باقی رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی عصرِ حاضر کے پیچیدہ سوالات کا تسلی بخش جواب دیا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد، دین میں نئی صورتِ حال کے مطابق فکری و عملی رہنمائی تلاش کرنے کا وہ مہذب اور علمی طریقہ ہے، جو نہ صرف قرآن کی نصوص میں مضمر حکمت کی روشنی میں ہوتا ہے بلکہ سنتِ نبوی کے عملی منہج سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔

اقبال کے نزدیک اجتہاد قرآن کا بنیادی پیغام ہے۔ وہ قرآن کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جو تدبر، تعقل اور فہم کی دعوت دیتی ہیں۔ مثلاً:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ[9]

يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ[10]

اقبال کے نزدیک یہ آیات اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اسلام جمود کا نہیں بلکہ تحرک، فہم، اور فکری وسعت کا دین ہے۔ اجتہاد اسی فکری وسعت کا تسلسل ہے۔ انہوں نے اجتہاد کو مغرب کے محض "جدت" کے نعرے سے مختلف ایک روحانی، تہذیبی اور شرعی ذمہ داری کے طور پر پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں:

اسلامی قانون کی روح اجتہاد ہے۔ اگر اس سے محروم کر دیا جائے تو یہ قانون محض تقلید کا جامد پیکر بن کر رہ جائے گا۔[11]"

اقبال نے اجتہاد کو صرف فقہی دائرے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو معیشت، سیاست، فلسفہ، تعلیم، اخلاقیات اور بین الاقوامی تعلقات سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی پر منطبق کرنے کی دعوت دی۔ ان کے مطابق:

نئے مسائل پر قدیم فتاویٰ کی میکانکی تطبیق نہ صرف دین کو مسخ کرتی ہے بلکہ امت کو فکری جمود کا شکار بھی بناتی ہے۔"

اقبال کا اصرار ہے کہ اجتہاد ایک مسلسل اور زندہ عمل ہے، جو ہر دور کے اہلِ علم و فکر کی ذمہ داری ہے۔ وہ اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے کو امت مسلمہ کی فکری موت کے مترادف سمجھتے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر اجتہادِ جمعی کی ضرورت پر زور دیا تاکہ مختلف مکتب فکر کے اہلِ علم مل کر ایک اجتماعی علمی رائے قائم کریں جو امت کے لیے باعث وحدت ہو۔

اقبال نے پارلیمنٹ کو بھی ایک ایسا ادارہ تصور کیا جو اجتہاد کی اجتماعی صورت بن سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں فقیہ، محدث، مفسر، ماہر قانون، ماہر معیشت اور فلسفی سب شامل ہوں۔ اس ضمن میں وہ خلافتِ راشدہ کی مثال دیتے ہیں، جہاں صحابہ کرامؓ مل کر اجتہاد کرتے تھے، اور نئی صورتحال میں قرآن و سنت کے مطابق اجتماعی فیصلہ سازی عمل میں آتی تھی۔

ان کی مشہور نظم "اجتہاد" میں وہ کہتے ہیں:

ہوا گر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی

---

[9] ، سورۃ آل عمران، 3:159

[10] ، سورۃ الزمر، 39:18

[11] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۱۴۳، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے[12]

اس شعر کے ذریعے اقبال اجتہاد کو خودی کی علامت قرار دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد سے انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی شناخت کو تازہ کرتا ہے اور اسے جمود، تقلید اور تقلیدی غلامی سے نکالتا ہے۔

اقبال کے ہاں اجتہاد دراصل ایک قرآنی و نبوی تقاضا ہے، جو محض فقہی معاملہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی فریضہ بھی ہے۔ یہی اجتہادی مزاج امت کو زمانے کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بناتا ہے اور اسے فکری زوال سے نکال کر قیادت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

اقبال کا تصورِ خودی اور قرآنی بنیادیں

فکرِ اقبال میں "خودی" ایک بنیادی اصطلاح ہے جس پر ان کا سارا فکری و روحانی نظام قائم ہے۔ خودی اقبال کے نزدیک محض انا یا ذاتی تشخص نہیں بلکہ ایک ایسی معنوی حقیقت ہے جو انسان کو اس کی اصل پہچان، مقام اور مقصدِ تخلیق سے جوڑتی ہے۔ یہ تصور سراسر قرآنی تعلیمات سے ماخوذ ہے اور اقبال نے اس کی بنیاد قرآن کی ان آیات پر رکھی جو انسان کو "خلیفۃ اللہ"، "اکرم المخلوقات" اور "عابدِ مختار" کے طور پر متعارف کراتی ہیں۔

اقبال کا تصورِ خودی دراصل اس قرآنی حقیقت کا شعور ہے کہ انسان محض مٹی کا پتلا نہیں بلکہ اس میں "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي"[13] کے تحت ربانی روح پھونکی گئی ہے۔ یہ آیت انسان کی معنوی رفعت کو واضح کرتی ہے کہ اس کی اصل خدا کے روحانی امر سے وابستہ ہے، اور وہ اگر اپنی اصل کو پہچان لے تو خلیفہ بن سکتا ہے، بصورت دیگر وہ صرف مخلوق میں شمار ہو کر رہ جاتا ہے۔

اقبال کا اصرار تھا کہ مسلمان جب تک اپنی خودی کی پہچان حاصل نہیں کرتا، وہ غلامی، زوال اور فکری پستی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان کے نزدیک خودی کی تعمیر کا پہلا زینہ قرآن ہے۔ وہ کہتے ہیں:

قرآن ایک زندہ قوت ہے، جو ہر لمحہ انسان کی خودی کو بلند کرنے کا محرک بن سکتی ہے۔[14]"

اسی طرح وہ یہ بھی فرماتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے[15]"

اقبال کے مطابق خودی کی تعمیر تین مراحل سے گزرتی ہے: اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی۔ پہلا درجہ اطاعت ہے جو قرآن و سنت سے وابستگی کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرا درجہ مجاہدہ اور جہاد بالنفس ہے جو انسان کو قوتِ ارادی، صبر، استقلال اور کردار عطا کرتا ہے۔ اور تیسرا درجہ وہ ہے جب انسان اپنی خودی میں خدا کے صفاتی مظاہر کا عکس بن کر دنیا میں خلیفہ بن جاتا ہے۔

قرآن نے بھی انسان کے مقامِ خلیفہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:
"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً[16]"

---

[12] ، اقبال، ارمغانِ حجاز، ص ۷۳، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[13] ، سورۃ الحجر، 15:29

[14] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۸۷، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[15] ، اقبال، بالِ جبریل، ص ۹۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[16] ، سورۃ البقرۃ، 2:30

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اقبال نے خودی کے اس قرآنی مفہوم کو نہ صرف شاعری بلکہ فلسفیانہ زبان میں بھی بیان کیا۔ ان کے نزدیک مغرب کی فلسفیانہ خودی انانیّت اور مادہ پرستی سے لبریز ہے، جبکہ اسلامی خودی قربِ الٰہی، تواضع، اطاعت اور فلاحِ انسانیت سے عبارت ہے۔

اقبال کا تصورِ خودی فرد کو ذمہ داری، اختیار اور مقصد عطا کرتا ہے۔ وہ انسان کو اس کی اصلیت، مرکزیت اور حرکی طاقت سے روشناس کراتا ہے۔ یہی وہ قرآنی خودی ہے جس کے ذریعے اقبال چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ زوال سے نکلے، قیادت کا بوجھ اٹھائے، اور دنیا میں عدل و رحم کا نظام قائم کرے۔

امت مسلمہ کے فکری زوال کا تجزیہ اقبال کی روشنی میں

علامہ اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کا زوال محض عسکری، سیاسی یا اقتصادی نہیں بلکہ اس کی جڑیں فکری و روحانی کمزوریوں میں پیوست ہیں۔ ان کے خیال میں جب کوئی قوم اپنے تصورِ حیات، مقصدِ وجود، اور فکری اصولوں کو بھلا دیتی ہے، تو وہ دنیا میں قیادت کا منصب کھو بیٹھتی ہے۔ یہی کچھ امت مسلمہ کے ساتھ ہوا۔ اقبال نے اس زوال کی کئی اسباب کی نشاندہی کی جن میں سب سے نمایاں دین سے انقطاع، قرآنی بصیرت سے دوری، اور اجتہادی شعور کی معطلی ہے۔

اقبال نے کہا:

ماری تباہی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے فکر و نظر کی آزادی کھو دی، اور تقلید کو دین بنا لیا۔[17]"

امت مسلمہ جب قرآن کو صرف تلاوت کی کتاب بنا کر رکھتی ہے، اور اس کی فکری رہنمائی سے دستبردار ہو جاتی ہے، تو وہ فکری طور پر دوسروں کی غلام بن جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے دین کی روح کو فراموش کر دیا اور صرف رسمیات پر اکتفا کیا۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا[18]"

یعنی: "اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف اپنی طرف سے ایک روح (قرآن) نازل کی ہے۔"

یہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ قرآن انسانیت کی روحانی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ لیکن جب یہ روحانی سرچشمہ امت سے منقطع ہو جائے، تو وہ فکری و اخلاقی بحران کا شکار ہو جاتی ہے۔

اقبال کے بقول:

زندگی ایک جہادِ مسلسل ہے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس جہاد کو ترک کر کے محض تقدیر پر تکیہ کرنا سیکھا۔[19]"

فکری زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے مغربی فکر کو بلا تنقید قبول کرنا شروع کر دیا۔ مغرب کی تہذیب نے مسلمانوں کے ذہن پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنی اقدار کو فراموش کرنے لگے۔ اقبال نے اس رویے کو "فکری خودکشی" سے تعبیر کیا ہے۔

اسی لیے وہ بار بار قرآن کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے ہیں:

جو قوم قرآن سے تعلق توڑ دیتی ہے، وہ تاریخ کے میدان سے غائب ہو جاتی ہے۔"

اقبال امت کے فکری زوال کو محض ایک تاریخی حادثہ نہیں بلکہ فکری انحراف کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ زوال اس وقت دور ہو سکتا ہے جب مسلمان پھر سے قرآن، اجتہاد، خودی، اور روحانی شعور کی طرف لوٹ آئیں۔ یہ تجزیہ آج بھی اتنا ہی تازہ ہے جتنا کہ ان کے دور میں تھا۔

---

[17] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۱۲۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[18] ، سورۃ الشوریٰ، 42:52

[19] ، اقبال، رموزِ بیخودی، ص ۵۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

فکرِ اقبال میں اجتہاد کا قرآنی تصور اور اس کی عصری معنویت

علامہ اقبال کے فکری نظام میں "اجتہاد" کو ایک نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد محض فقہی آراء کا استخراج نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری، روحانی اور تہذیبی عمل ہے جو انسان کو وحی کی روشنی میں بدلتے ہوئے حالات کا ادراک اور ان کے مطابق راہِ عمل مہیا کرتا ہے۔ اقبال نے اجتہاد کو اسلامی تمدن کی زندگی بخش رگ قرار دیا اور اسے مسلمانوں کی فکری تجدید و احیاء کا بنیادی ذریعہ گردانا۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر غور و فکر، تعقل اور تدبر پر زور دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا[20]"

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

اقبال کے نزدیک یہی تدبر، اجتہاد کی بنیاد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان جب تک قرآن کو ایک زندہ اور متحرک ہدایت نامہ نہ سمجھے، اس وقت تک وہ اجتہاد کی روح کو نہیں پا سکتا۔ وہ تقلیدی جمود کو زوال کا سبب اور اجتہادی شعور کو احیائے امت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اقبال کا اجتہاد کا تصور صرف مفرد مسائل کے حل تک محدود نہیں بلکہ وہ اسے ایک تہذیبی تقاضا سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق:

اسلام کی روح حرکت ہے، جمود نہیں؛ اور اجتہاد اس حرکت کا نام ہے۔[21]"

انہوں نے اجتہاد کو فرد، معاشرہ، اور ریاست کے ہر پہلو پر محیط تصور کیا۔ وہ اجتہاد کو قرآن و سنت کی بنیاد پر "عقلِ سلیم" کے استعمال کا نام دیتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ شریعت کے ابدی اصول قرآن و سنت میں محفوظ ہیں، مگر ان اصولوں کی تعبیر ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے، جس کا ذریعہ اجتہاد ہے۔

اسی سلسلے میں حدیث مبارکہ بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا:

"بِمَ تَقْضِي؟"

تم فیصلے کس بنیاد پر کرو گے

معاذ نے جواب دیا: "بِكِتَابِ اللهِ"

اللہ کی کتاب سے

فرمایا: "اگر کتاب میں نہ ملے؟"

کہا: "سنتِ رسول سے۔"

فرمایا: "اگر سنت میں بھی نہ ہو؟"

تو معاذ نے عرض کیا: "اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔[22]"

یہ حدیث مبارکہ اجتہاد کے شرعی جواز اور اس کی نبوی تائید کا بین ثبوت ہے۔

اقبال کے مطابق جب تک مسلمان اجتہاد کو زندہ نہیں کرتے، وہ فکری غلامی، تہذیبی پسماندگی اور اجنبی افکار کے زیرِ اثر رہیں گے۔ ان کے نزدیک اجتہاد ہی وہ قوت ہے جو امت کو وقت کی قیادت اور مسائل کے حل کی راہ دکھا سکتی ہے۔

---

[20] ، سورۃ محمد، 47:24

[21] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۱۳۳، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[22] ، ابو داود، السنن، کتاب الأقضیۃ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

قرآن فہمی کا اقبالی منہج اور تربیتِ امت

اقبال کا ایمان تھا کہ امت مسلمہ کی بیداری، ترقی اور نجات کا سرچشمہ صرف قرآن ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کوئی جامد و منجمد صحیفہ نہیں بلکہ ایک زندہ، حرکی اور ہمہ گیر منشورِ حیات ہے، جو ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کے لیے نازل ہوا ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کو بارہا اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن کو صرف تلاوت اور ثواب کے لیے نہ پڑھیں، بلکہ اس کو ایک زندہ ہدایت نامہ سمجھ کر تدبر و تفکر سے پڑھیں اور اس کی روشنی میں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی تشکیل دیں۔

اقبال فرماتے ہیں:

قرآن حکیم کو اگر تم نے سمجھا نہیں تو تمہاری ساری عبادت، ساری تہجد، اور سارا علم بے کار ہے۔[23]"

اسی پیغام کو قرآن مجید نے خود یوں بیان فرمایا ہے:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ[24]"

یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

اقبال نے اس آیت کو امت مسلمہ کے لیے ایک فکری منشور کے طور پر لیا۔ ان کے نزدیک قرآن فہمی صرف مفسرین کا کام نہیں، بلکہ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ وہ قرآن کو فہم و شعور کے ساتھ پڑھے اور اس سے رہنمائی حاصل کرے۔

اقبال نے اپنے ایک خط میں لکھا:

میں نے قرآن کو پڑھا تو اس نے میری زندگی بدل دی، میرے لیے قرآن کوئی تصوراتی چیز نہیں بلکہ ایک زندہ قوت ہے جو مجھے ہر لمحہ دعوتِ عمل دیتی ہے۔[25]"

ان کے مطابق قرآن فہمی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی فکری و روحانی تطہیر کریں اور قرآن کے ساتھ زندہ رشتہ قائم کریں۔ وہ بار بار اجتہاد، خودی اور روحانیت کی بنیاد پر قرآن کی عملی تفہیم کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اقبال کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ قرآن کو صرف درسِ نظامی کی سطح پر نہ پڑھا جائے بلکہ اسے دل و دماغ کی گہرائی سے سمجھا جائے اور عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔ انہوں نے امت کے نوجوان طبقے کو خاص طور پر مخاطب کیا کہ وہ قرآن کو تختی، جزدان یا طاق پر نہ رکھیں بلکہ اسے ضمیر کی روشنی اور عمل کی قوت بنا لیں۔

یہی وہ منہج ہے جو امت کو غلامی، تفرقہ، فکری انتشار اور تہذیبی بحران سے نجات دلا سکتا ہے، اور قرآن کو مرکزِ حیات بنا کر ہی امت دوبارہ عالم انسانیت کی رہنما بن سکتی ہے۔

اقبال کی فکر میں امت مسلمہ کے لیے قرآنی شعور کی عملی راہِ نجات

اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کو درپیش تمام فکری، تہذیبی اور سیاسی بحرانوں کا واحد حل قرآنی شعور کی تجدید میں مضمر ہے۔ ان کی نگاہ میں قرآن ایک ایسی رہنمائی عطا کرتا ہے جو نہ صرف فرد کی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ ملت کی تشکیلِ نو اور فکری آزادی کا منبع بھی ہے۔ اقبال نے قرآن کو صرف ماضی کی کتاب نہیں سمجھا بلکہ اسے "کتابِ زندہ، جاوید، کامل" قرار دیا، جو ہر دور کے سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اقبال فرماتے ہیں:

قرآن کی روح میں اگر کوئی قوم اپنی زندگی کو جذب کر لے تو وہ دنیا میں انقلاب برپا کر سکتی ہے۔[26]"

---

[23] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۸۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[24] ، سورۃ ص، 38:29

[25] ، اقبال، مکتوبات اقبال، مرتبہ سید نذیر نیازی، ص ۲۱۷، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

[26] ، اقبال، رموزِ بیخودی، ص ۱۲۸، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

انہوں نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے اس نکتے پر زور دیا کہ محض روایتی مذہب یا خارجی تہذیب سے وابستگی، انہیں نجات نہیں دلا سکتی جب تک کہ وہ قرآن سے فکری اور عملی تعلق قائم نہ کریں۔

اقبال نے فرمایا:

"جب تک مسلمانوں کا تعلق قرآن سے زندہ نہیں ہوتا، وہ سیاسی اور تمدنی طور پر زوال کا شکار رہیں گے۔"[27]

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ[28]

یقیناً یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔

اقبال اس راستے کو نہ صرف انفرادی نجات بلکہ اجتماعی سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ راہِ نجات درج ذیل عملی پہلوؤں پر مبنی ہے:

خودی کی تعمیر

اقبال کے تصورِ خودی کی جڑ قرآن میں ہے، جہاں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ وہ بارہا کہتے ہیں کہ جب تک انسان اپنی داخلی قوت اور خودی کو پہچان نہیں لیتا، وہ نہ اللہ کو پہچان سکتا ہے نہ کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔

فکرِ آزاد

اقبال نے غلامانہ ذہنیت کے خاتمے اور اجتہادی فکر کے احیاء کو لازم قرار دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان عقل و فہم کے ساتھ قرآن سے رہنمائی لیں نہ کہ محض تقلید پر قناعت کریں۔

عملی دین

ان کے نزدیک دین صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جسے عملی دنیا میں نافذ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

روحانی بالیدگی

اقبال نے مادہ پرستی کے خلاف جہاد کو فکری تربیت کا اہم جزو قرار دیا، اور اس کی بنیاد روحانیت پر رکھی۔ وہ قرآن کو "روحانی انقلاب" کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔

اقبال نے بارہا مسلمانوں کو قرآن کی طرف پلٹنے کی دعوت دی، نہ صرف بحیثیتِ تلاوت، بلکہ بحیثیتِ دستورِ حیات۔ ان کی نظر میں قرآن ہی وہ نسخہ ہے جو امت کو از سرِ نو زندہ قوم بنا سکتا ہے۔ یہی اقبال کا پیغامِ نجات ہے، جو آج کے فکری بحران زدہ مسلمان کے لیے ایک روشن مشعلِ راہ ہے۔

خلاصۃ البحث

اس تحقیقی مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ اقبال کا فکری نظام، قرآن مجید سے گہرے تعلق، تدبر اور فہم پر مبنی ہے۔ اقبال نے امت مسلمہ کی زبوں حالی کا بنیادی سبب قرآن سے دوری، غلامانہ تقلید، اور فکری جمود کو قرار دیا۔ ان کے نزدیک قرآنی شعور فقط نظریاتی یا روحانی پہلو نہیں رکھتا، بلکہ یہ ایک زندہ، انقلابی اور متحرک فکری نظام ہے جو فرد کی خودی کو بیدار کرتا ہے، ملت کی فکری آزادی کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور اجتماعی عمل کے ذریعے امت کو سربلند کرتا ہے۔

تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال نے مغرب کے فکری حملات اور تہذیبی یلغار کے مقابلے میں قرآن کو ایک فکری اسلحہ اور روحانی قوت کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے اجتہاد کو قرآن کی روشنی میں زندہ رکھنے کا مطالبہ کیا، تاکہ ہر دور کے مسائل کا حل اس الہامی بصیرت سے حاصل ہو۔ اقبال کے نزدیک قرآن صرف ماضی کی عظمت کا حوالہ نہیں بلکہ حال کی اصلاح اور مستقبل کی تعمیر کا عملی نقشہ ہے۔

---

[27] ، اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۹۵، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

[28] ، سورۃ الإسراء، 17:9

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

تجاویز و سفارشات

1. مسلم تعلیمی اداروں میں فکرِ اقبال اور قرآنی شعور کو بطور نصاب شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل اپنے فکری و تہذیبی ورثے سے آگاہ ہو سکے۔
2. اجتہاد کی روایت کو جدید مسائل کے حل کے لیے زندہ کیا جائے اور قرآن فہمی کے عمل کو عصری تقاضوں کے ساتھ مربوط کیا جائے۔
3. اقبال کے قرآنی نظریات کو صرف ادبی پہلو سے نہ دیکھا جائے بلکہ ان کے عملی اور فکری جہات کو اسلامی فقہ، تعلیم، اور سماجی نظام میں شامل کیا جائے۔
4. اقبال کے کلام اور نثر سے ایسی نصابی اور فکری کتب مرتب کی جائیں جو عصرِ حاضر میں فکری رہنمائی فراہم کر سکیں۔
5. مدارس اور یونیورسٹیوں میں بین المضامین تحقیق کو فروغ دیا جائے جس میں قرآن، فلسفہ، اقبالیات اور سوشیالوجی کو یکجا کیا جائے۔
6. اقبال کے اجتہادی فکر کی روشنی میں امت کے زوال کے اسباب اور حل پر مزید تحقیقی منصوبے شروع کیے جائیں۔

مصادر و مراجع

1. اقبال، علامہ محمد۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۰ء۔
2. اقبال، علامہ محمد۔ رموزِ بیخودی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء۔
3. اقبال، علامہ محمد۔ اسرارِ خودی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۱ء۔
4. اقبال، علامہ محمد۔ جاوید نامہ۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء۔
5. اقبال، علامہ محمد۔ ضربِ کلیم۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء۔
6. قریشی، اسلم۔ فکرِ اقبال کا قرآنی تناظر۔ لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، ۲۰۰۵ء۔
7. فاروقی، ڈاکٹر عبد الحق۔ اقبال اور قرآن۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۲ء۔
8. ندوی، سید سلیمان۔ سیرۃ النبی ﷺ، جلد ۱۔ لکھنؤ: ندوۃ العلماء، ۱۹۴۰ء۔
9. رازی، فخر الدین۔ تفسیر کبیر۔ قاہرہ: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۹ء۔
10. طبری، محمد بن جریر۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۸ء۔
11. مسلم، امام۔ صحیح مسلم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء۔
12. بخاری، امام۔ صحیح البخاری۔ بیروت: دار ابن کثیر، ۲۰۰۲ء۔